جماعت احمدیہ یوکے کے 48ویں جلسہ سالانہ کے موقع پر 31 راگست 2014ء کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا حدیقۃ المہدی، آلٹن میں اختتامی خطاب

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔ أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ- بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۔إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔

مذہب پر اعتراض کرنے والے اپنے آپ کو صرف مذہب پر اعتراض کی حد تک محدود نہیں رکھتے بلکہ خدا تعالیٰ کی ذات پر بھی اعتراض کرتے ہیں۔ اس زمانے میں یہ اعتراض پہلے سے بہت زیادہ شدت سے کیا جاتا ہے۔ اس پر بہت زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں اور کتابیں لکھی جاتی ہیں اور لکھی جارہی ہیں۔ پھر آجکل تو اپنی بات پہنچانے کا کام الیکٹرانک سہولیات کے ذریعے سے اور بھی آسان ہو گیا ہے جس کی وجہ سے جو بات لوگوں تک پہنچنے میں ایک عرصہ لیتی تھی اور وہ بھی چند پڑھے لکھے لوگوں تک پہنچتی تھی اب ہر ایک تک الیکٹرانک سہولیات اور میڈیا کے ذریعے سے پہنچ جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے دنیا کی بہت بڑی تعداد مذہب سے دُور ہٹ گئی ہے۔ بہت سے لوگ جو مذاہب کو ماننے والے ہیں تو مذہب سے اس لئے بھی دُور ہوئے کہ ان کے خیال میں مذہب اب صرف قصے کہانیاں رہ گیا ہے اور آجکل کی مادی اور ترقی یافتہ دنیا میں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ ہر بندے سے تعلق قائم رکھنے والے خدا کا ان میں تصور ہے۔ نہ یہ لوگ مذہب کو آجکل کے علم سے مطابقت رکھنے والا سمجھتے ہیں۔

پس یہ لوگ کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں وہ اپنے آپ کو مذہب سے کیونکر جوڑیں اور اس وجہ سے وہ خدا کے وجود کے انکاری ہیں اور مذہب کو فرسودہ چیز سمجھنے والے ہیں۔ اور مذہبی لیڈروں کے اپنے ذاتی مفادات کی خاطر مذہب کے نام پر لوگوں کو اپنے پیچھے چلانے کا ذریعہ بنانے والے جو لوگ ہیں۔ یا یہ جو اپنے پیچھے لوگوں کو چلانے والے نام نہاد مذہبی لیڈر ہیں ان کے رویے دیکھ کر ان مذہب کے مخالفین کو، خدا تعالیٰ کی ذات کے مخالفین کو مذہب کے خلاف مزید بھڑکانے کا موقع مل جاتا ہے کہ مذہب تمہیں کیا دیتا ہے۔ بلکہ ان اعتراض کرنے والوں نے انبیاء کو بھی نہیں چھوڑا کہ وہ بھی نعوذ باللہ صرف اپنے مفادات کی خاطر اَن پڑھ لوگوں کو اپنے پیچھے چلاتے رہے اور اب کی ترقی یافتہ دنیا میں ایسی چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ ایسے پڑھے لکھے لوگ جن کو مذہب سے دلچسپی ہے یا روایتی تعلق ہے اور جس حد تک یہ روایتی تعلق ہوسکتا ہے یعنی اسلام کے علاوہ جو اُن کے مذہب کی موجودہ صورتحال ہے اس کے مطابق وہ اپنے مذہب پر عمل کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ مذہب اپنی جگہ لیکن آج کی سائنسی ترقی کے دَور کا مذہب میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

گزشتہ سال آسٹریلیا کے سفر میں مجھے وہاں کے ایک سیاستدان سے ملنے کا موقع ملا تو باتوں میں کہنے لگے کہ مَیں عیسائی ہوں، چرچ بھی جاتا ہوں، مذہب کو ضروری بھی سمجھتا ہوں لیکن مذہب اور موجودہ ترقی اور سائنس کا کوئی تعلق نہیں۔ بائبل میں تو اس کا کوئی ذکر نہیں۔ مذہب اور سائنس کو علیحدہ رکھ کر ہی ہم اپنا مذہب بچا سکتے ہیں۔ تو مَیں نے انہیں بتایا کہ میرا مذہب اور جو کتاب مسلمانوں کے لئے ہے وہ تو ہمیں سائنس کے بارے میں اور موجودہ ترقیات کے بارے میں رہنمائی کرتی ہے۔ بہرحال یہ تو وہ مذاہب ہیں جو تمام چیزوں اور باتوں کا احاطہ کر ہی نہیں سکتے اس لئے ان کی یہ سوچ ہے۔

لیکن حیرت ہوتی ہے ان مسلمانوں پر بھی جن پر وہ کامل شریعت اتری جس نے ہر بات کا احاطہ کیا ہوا ہے وہ بھی مذہب اور ترقی کو علیحدہ چیزیں قرار دینے لگ گئے ہیں۔ یہ احمدی ہی ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت کبھی معطل نہیں ہوئی۔ جہاں قرآن میں سابقہ باتوں کا ذکر آتا ہے وہاں قرآن میں موجودہ زمانے کی سائنس کی ترقی کا بھی ذکر آتا ہے۔ وہاں قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ اسلام کا خدا زندہ خدا ہے۔ وہ اب بھی بولتا ہے جیسے پہلے بولتا تھا وہ اب بھی سنتا ہے جیسے پہلے سنتا تھا اور اس نے اسلام کو اس زمانے میں بھی بے آسرا نہیں چھوڑا اور مسیح موعود کو بھیج کر اس زمانے میں بھی خدا تعالیٰ کی ذات کو، مذہب کو، شریعت کو کھول کر دکھا دیا۔

پس ہم احمدی خوش قسمت ہیں کہ ہم نے زمانے کے امام کو مانا ہے اور مذہب کی حقیقت کو جانا ہے۔ ہمیں معترضین کے یہ اعتراض کبھی فکر میں نہیں ڈالتے کہ مذہب تعلیم اور ترقی سے دُور لے جاتا ہے یا مذہب خود غرضی کی عادت پیدا کرتا ہے۔ یا مذہب خون بہانے کا حکم دیتا ہے یا مذہب کے نام پر خون ہوتے ہیں۔ ہمیں تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ:۔

’’سائنس اور مذہب میں بالکل اختلاف نہیں بلکہ مذہب بالکل سائنس کے مطابق ہے اور سائنس خواہ کتنی ہی عروج پکڑ جاوے مگر قرآن کی تعلیم اور اصول اسلام کو ہرگز ہرگز نہیں جھٹلا سکے گی۔‘‘

(ملفوظات جلد دہم صفحہ 435۔ ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

پس ہمارا مذہب اور ہماری شرعی کتاب جو وسیع تر علم دیتا ہے سائنس کا علم بھی اس کا ایک حصہ ہے۔

پھر جیسا کہ مَیں نے کہا یہ اعتراض کر کے مذہب سے متنفر کیا جاتا ہے کہ مذہب خون کی تعلیم دیتا ہے اور خون بہاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہم جو ترقی یافتہ سائنسی دَور میں سے گزر رہے ہیں ہمیں اگر خون بہانے سے بچنا ہے تو مذہب سے نفرت ضروری ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ تم خدا خدا کرتے رہتے ہو۔ دیکھو اس وقت دنیا کے دو بڑے مذہب ہیں یعنی عیسائیت اور اسلام اور ان کی کتابیں پڑھو تو دونوں جنگوں کے حکموں سے بھرے پڑے ہیں۔ پھر یہ الزام لگاتے ہیں کہ خدا نے مذہبی کتابوں کی رُو سے قوموں کو عذاب دے کر مارا۔ کہتے ہیں یہ بھی تمہاری کتابیں ہی کہتی ہیں کہ فلاں قوم کو عذاب دیا، فلاں کو عذاب دیا۔ یہاں بھی اگر جنگ نہیں ہو رہی تو ویسے خون بہایا جا رہا ہے۔ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کیسا خدا ہے اور کیسے مذہب ہیں جنہوں نے کتنے ہی لوگ سیلاب میں غرق کئے، کتنے ہی جلا دیئے، کتنے مصریوں کے پلوٹھوں کو مارا۔ سٹیو ویلز (Steve Wells) ایک لکھنے والا ایسا معترض ہے۔ لکھتا ہے کہ بائبل کے مطابق جو اس طرح مارے گئے یہ تعداد چوبیس لاکھ چھہتر ہزار بنتی ہے۔ اس نے calculation کی ہے پھر کہتا ہے یہ اندازے غلط ہیں۔ میرے اندازے کے مطابق اصل تعداد اس سے کہیں زیادہ بنتی ہے اور یہ تعداد پھر وہ پچیس ملین بتاتا ہے۔

(http://dwindlinginunbelief.blogspot.com/2006/08/who-has-killed-more-satan-or-god.html)

اب اس سے کوئی پوچھے کہ تم جو سائنس کو مذہب کا قائمقام سمجھتے ہو یا اس ترقی کو بہتر سمجھتے ہو اس نے تو مذہب سے بھی زیادہ خون بہایا ہے۔ مذہب تو اپنے پیروؤں کو صلح صفائی کا حکم دیتا ہے۔ مسلمانوں پر اگر اعتراض کرتے ہیں تو قرآن کریم کے صلح صفائی اور امن و آشتی کے پیغام ایسے اعلیٰ معیار کے ہیں کہ اگر ان پر دنیا عمل کرے تو ہر طرف سلامتی ہی سلامتی نظر آئے۔ جہاد کا، قتال کا اگر حکم ہے تو اس صورت میں جب وہ ٹھونسا جاتا ہے۔ سائنس نے جو آلات ایجاد کئے ہیں اور جو زہریلی گیسیں بنائی ہیں ان سے تو صرف تباہی ہی تباہی ہے۔ اب مذہب کے نام پر بڑا کھینچ تان کر یہ پچیس ملین کی figure انہوں نے بنائی ہے اور جانی نقصان کا بتایا کہ کتنا ہوا ہے جو مذہب نے کیا ہے۔ کیا ان کی نظر میں صرف دوسری جنگ عظیم کے figure نہیں گزرے؟ جس میں سائنسی ایجاد کی وجہ سے ہی تقریباً ساٹھ سے ستر ملین لوگ مر گئے۔ جن میں معصوم بچے بھی تھے اور عورتیں بھی شامل تھیں۔ شہر راکھ کا ڈھیر ہو گیا۔ کیا یہ مذہبی جنگ تھی؟

پس یہ مذہب مارتا نہیں بلکہ مذہب تنبیہ کرتا ہے کہ امن اور سلامتی قائم کرو۔ کم از کم ہمارے مذہب کا تو یہ حکم ہے۔ ہر حکم انسان کے لئے رحم اور سلامتی کے جذبات سے بھرا پڑا ہے۔ ہمیں تو قرآن نے یہ سمجھایا کہ تمام انبیاء یہی حکم لے کر آئے کہ ظلم و تعدی بند کرو۔ پیار و محبت پیدا کرو ورنہ خدا تعالیٰ تمہیں سزا دے گا۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں یہ فرماتا ہے کہ وہ سزا دینے میں دھیما ہے جلد باز نہیں ہے۔ سزا بھی اصلاح کے لئے دیتا ہے۔ اگر خون انسان نے کئے تو اپنے مفادات کے حصول کے لئے کئے۔ غیر معمولی آفتوں میں سے اگر گزرنا پڑا تو اپنے ظلموں کی وجہ سے گزرنا پڑا۔ اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ خدا نہیں ہے اور مذہب بھی نہیں ہے تو کیا پھر جو زلزلے اور سیلاب آتے ہیں کیا یہ رُک جائیں گے۔ ان کا یہ کیا نام دیں گے۔ اگر نہیں تو پھر یہ مذہب کے خلاف لکھنے والے انہیں کس کھاتے میں ڈالتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر اتنا مہربان ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے حکموں پر چلو تو یہ آفات ٹل سکتی ہیں یا ان کے نقصانات سے تم بچ سکتے ہو۔ دُور کی بات نہیں ہم گزشتہ صدی کی ہی بات کرتے ہیں۔ اس زمانے کی ہی بات کرتے ہیں جس میں مسیح موعود کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرستادے کو بھیجا جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمائندگی میں دنیا کو ظلموں کے کرنے اور حد سے زیادہ خودسری سے بچنے کی تلقین کرنے کے لئے آیا۔ اس اللہ کے بھیجے نے یہ کہا کہ دنیا نے اگر اپنی حالت نہ بدلی تو زلزلے بھی آئیں گے۔ پس اپنے پر رحم کرو اور اپنی حالتوں کو بدلو۔ زمانے کے امام نے کہا کہ تم نے اگر اپنی حالت نہ بدلی اور ظلموں میں حد سے بڑھتے گئے اور خدا تعالیٰ کی بات نہ مانی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا ہے کہ طاعون کی ایسی وبا پھوٹے گی جس کی تباہی غیر معمولی ہو گی۔ پس اپنی حالتیں بدلو اور نجات حاصل کرو۔ پس جنہوں نے اس کی بات مانتے ہوئے اپنی حالتوں میں پاک تبدیلیاں پیدا کیں وہ زلزلوں سے بھی محفوظ رہے اور طاعون سے بھی محفوظ رہے۔ پس یہاں تو ہمیں مذہب کا اور خدا تعالیٰ کے پیاروں کا شکرگزار ہونا چاہئے کہ وہ بغیر وارننگ کے ایک بم مار کر سارے شہر کو راکھ کا ڈھیر بنا کر اور لاکھوں جانوں کو تلف کرنے والا نہیں ہے بلکہ پہلے پیار سے سمجھاتا ہے اور پھر بھی اگر دنیا باز نہ آئے تو پھر اللہ تعالیٰ اپنا نشان دکھاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے بندے جن کو گو دنیا والے برا کہتے ہیں اور جن کی خاطر اللہ تعالیٰ نشان دکھاتا ہے وہ پھر بھی مخلوق کی ہمدردی کی وجہ سے جو مذہب نے ان کے دل میں پیدا کی ہے یہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس عذاب کو ٹال دے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو عذاب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نشان کے طور پر آیا اس وقت آپ بے چین ہو کر مخلوق کی زندگی کی دعا کرتے تھے۔

ایک صحابی نے لکھا کہ ایک رات طاعون کے دنوں میں مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رات سجدہ ریز اس طرح گڑگڑاتے ہوئے دیکھا ہے جس طرح

ہنڈیا ابل رہی ہو۔قریب ہوکرمَیں نے سنا تو آپ دعا کر رہے تھے کہ اے اللہ! اس عذاب سے دنیا کو بچالے، ان کو عقل دے۔(ماخوذ از سیرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام از حضرت یعقوب علی عرفانی صاحبؓ صفحہ 429-428)

پس کیا مذہب ظلم کرتا اور خون بہاتا ہے یا کہ اس کے حقیقی ماننے والے ہمدردیٔ خلق کرتے ہیں؟ بہر حال دنیا جو بھی کہتی رہے۔مسلمان بھی جنہوں نے زمانے کے امام کو نہیں ماناچاہے اس بات کو سمجھیں یا نہ کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے اور اسی محبت کے تقاضے کے تحت ہی وہ مختلف مذاہب مختلف وقتوں میں بھیجتا رہا اور آخری مذہب اسلام کا جس نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا تھا بھیجا اور قرآن کو ہم پر شریعت کے طور پر اتارا۔ اس نے اس زمانے میں بھی اس کامل اور مکمل شریعت کے ساتھ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا تو آپ کے غلام صادق کو بھی اس زمانے میں بھیجا جنہوں نے ہمیں مذہب کی حقیقت کے بارے میں بتایا اور ہمیں آپ کی بیعت میں آنے کی توفیق عطا فرمائی۔

پس اس وقت میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ میں ہی آپ کے سامنے یہ پیش کروں گا کہ مذہب کیا ہے؟ مذہب کی ضرورت کیوں ہے؟ آج جب ہر طرف سے مذہب پر اعتراضات کی بھرمار ہے ہمیں اس ضرورت کا پتا لگنا چاہئے۔ ہمیں پتا چلنا چاہئے کہ ہمارے اپنے فرائض کیا ہیں؟ ہمیں پتا لگنا چاہئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ پھر یہ بھی کہ مذہب اسلام کی صداقت باقی مذاہب پر کیا ہے اور اسلام اپنے ماننے والوں سے کیا چاہتا ہے۔اور صرف چاہتا ہی نہیں بلکہ اپنے ماننے والوں کو کیا دیتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ مذہب زندگی بخشتا ہے تو مذہب کس طرح زندگی بخشتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُمّت واحدہ بنانے کے سامان کئے ہیں کہ دنیا کے فساد دُور ہوں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مقصد کو پورا فرمایا۔اسی بارے میں جیسا کہ مَیں نے کہا آپ علیہ السلام کی بے شمار جو تحریرات ہیں ان میں سے چند ایک آپ کے سامنے پیش کروں گا تا کہ پتا لگے کہ مذہب کیا ہے؟ اور آپ ہم سے اس بارے میں کیا چاہتے ہیں۔ ایک جگہ ایک سوال کرنے والے کے سوال کے جواب میں کہ مذہب کیا ہے؟ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:۔

’’مذہب کیا ہے؟ وہی راہ ہے جس کو وہ اپنے لئے اختیار کرتا ہے۔ مذہب تو ہر شخص کو رکھنا پڑتا ہے۔ اور وہ لامذہب انسان جو خدا کو نہیں مانتا اس کو بھی ایک راہ اختیار کرنی لازمی ہے۔ اور وہی مذہب ہے۔‘‘ جو بھی رستہ تم اختیار کرو گے وہ مذہب ہے۔’’مگر ہاں امر غور طلب یہ ہونا مانتے ان سے کوئی پوچھے تمہیں کتنا اطمینان مل گیا؟ فرمایا ’’دیکھو مذہب تو ایک عام لفظ ہے۔اس کے معنی چلنے کی جگہ یعنی راہ کے ہیں اور یہ دین کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ ہر قسم کے علوم وفنون طبقات الارض، طبعی، طبابت، ہیئت وغیرہ میں بھی ان علوم کے ماہرین کا ایک مذہب ہوتا ہے۔ اس سے کسی کو چارہ ہوسکتا ہی نہیں ۔ یہ تو انسان کے لئے لازمی امر ہے۔اس سے باہر ہو نہیں سکتا۔پس جیسے انسان کی رُوح جسم کو چاہتی ہے۔معانی الفاظ اور پیرایہ کو چاہتے ہیں اسی طرح انسان کو مذہب کی ضرورت ہے۔ ہماری یہ غرض نہیں ہے اور نہ ہم یہ بحث کرتے ہیں کہ کوئی اللہ کہے یا گاڈ کہے یا پرمیشر۔ ہمارا مقصد تو صرف یہ ہے کہ جس کو وہ پکارتا ہے۔اس نے اس کو سمجھا کیا ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ کوئی نام لو مگر یہ بتاؤ کہ تم اسے کہتے کیا ہو؟’’سمجھتے کیا ہو؟‘‘ اس کے صفات تم نے کیا قائم کئے ہیں؟ صفات الٰہی کا مسئلہ ہی تو بڑا مسئلہ ہے جس پر غور کرنا چاہیے۔‘‘

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 236۔ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

پس اسلام نے تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی صفات بتائی ہیں اور بتایا کوئی بھی صفت کبھی بھی معطّل نہیں ہوئی۔پھر آپ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:۔

’’مذہب کا خلاصہ دو ہی باتیں ہیں اور اصل میں ہر مذہب کا خلاصہ ان دو ہی باتوں پر آ کر ٹھیرتا ہے یعنی حق اللہ اور حق العباد......‘‘ فرمایا کہ’’ یاد رکھنا چاہئے کہ حق دو ہی ہیں ایک خدا کے حقوق کہ اسے کس طرح پر ماننا چاہئے اور کس طرح اس کی عبادت کرنی چاہئے۔ دوم بندوں کے حقوق یعنی اس کی مخلوق کے ساتھ کیسی ہمدردی اور مواسات کرنی چاہئے۔‘‘

(ملفوظات جلد3 صفحہ 119۔ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

کس طرح اس کی غم خواری کرنی چاہئے۔کس طرح اس سے مختلف حسن سلوک کرنا چاہئے۔ پس کس خوبصورتی سے مختصر الفاظ میں مذہب پر اعتراض کرنے والوں کا آپ نے منہ بند کیا کہ یہ دو حقوق یعنی اللہ کا حق اور بندوں کا حق ادا کرنے والے ہی حقیقی مذہب کو ماننے والے ہیں۔اور بندوں کے حق ادا ہوتے ہیں حقیقی ہمدردی کرنے سے، دوسروں کے غم میں شریک ہونے سے، ان کی غلطیوں کو معاف کرنے سے، پیار اور محبت کرنے سے۔ پس یہ مذہب ہے جو اسلام نے ہمیں سکھایا نہ کہ خون کرنے کا۔پھر آپ نے فرمایا:

’’اگرچہ دنیا کے لوگ سچے مذہب کے پرکھنے کے معاملہ میں ہزارہا پیچ در پیچ مباحثات میں پڑ گئے ہیں اور پھر بھی کسی منزل مقصود تک نہیں پہنچے لیکن سچ بات یہ ہے کہ جو مذہب انسانی نابینائی کے دُور کرنے اور آسمانی برکات کے عطا کرنے کے لئے اس حد تک کامیاب ہوسکے جو اس کے پیرو کی عملی زندگی میں خدا کی ہستی کا اقرار اور نوع انسان کی ہمدردی کا ثبوت نمایاں ہو وہی مذہب سچا ہے اور وہی ہے جو اپنے سچے پابند کو اس منزل مقصود تک پہنچا سکتا ہے جس کی اس کی روح کو پیاس لگادی گئی ہے۔ اکثر لوگ صرف ایسے فرضی خدا پر ایمان لاتے ہیں جس کی قدرتیں آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہیں اور جس کی شکتی اور طاقت صرف قصوں اور کہانیوں کے پیرایہ میں بیان کی جاتی ہے۔ پس یہی سبب ہوتا ہے کہ ایسا فرضی خدا ان کو گناہ سے روک نہیں سکتا بلکہ ایسے مذہب کی پیروی میں جیسے جیسے ان کا تعصب بڑھتا جاتا ہے ویسے ویسے فسق و فجور پر شوخی اور دلیری زیادہ پیدا ہوتی جاتی ہے اور نفسانی جذبات ایسی تیزی میں آتے ہیں کہ جیسے ایک دریا کا بند ٹوٹ کر اردگرد پانی اس کا پھیل جاتا ہے اور کئی گھروں اور کھیتوں کو تباہ کر دیتا ہے۔‘‘

اب مسلمان بے شک مذہب کا نام اسلام کہتے رہیں لیکن جب تک یہ چیزیں پیدا نہیں ہوتیں ان کا حال یہی ہے اور یہ جو بند باندھتے ہیں اس کی حقیقت اس زمانے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتائی ہے اور راستوں کو روشن کر کے دکھایا ہے۔پس اگر مذہب کو سمجھنا ہو تو آپ کا ماننا ضروری ہے۔

پھر فرمایا کہ:’’ وہ زندہ خدا جو قادرانہ نشانوں کے شعاع اپنے ساتھ رکھتا ہے اور اپنی ہستی کو تازہ بتازہ معجزات اور طاقتوں سے ثابت کرتا رہتا ہے وہی ہے جس کا پانا اور دریافت کرنا گناہ سے روکتا ہے اور سچی سکینت اور شانتی اور تسلی بخشتا ہے اور استقامت اور دلی بہادری کو عطا فرماتا ہے۔وہ آگ بن کر گناہوں کو جلا دیتا ہے اور پانی بن کر دنیا پرستی کی خواہشوں کو دھوڈالتا ہے۔ مذہب اسی کا نام ہے جو اس کو تلاش کریں اور تلاش میں دیوانہ بن جائیں۔‘‘ فرمایا ’’یاد رہے کہ محض خشک جھگڑے اور سبّ وشتم اور سخت گوئی اور بدزبانی جو نفسانیت کی بنا پر مذہب کے نام پر ظاہر کی جاتی ہے۔اور اپنی اندرونی بدکاریوں کو دُور نہیں کیا جاتا اور اس محبوب حقیقی سے سچا تعلق پیدا نہیں کیا جاتا اور ایک فریق دوسرے فریق پر نہ انسانیت سے بلکہ کتّوں کی طرح حملہ کرتا ہے اور مذہبی حمایت کی اوٹ میں ہر ایک قسم کی نفسانی بدذاتی دکھلاتا ہے کہ یہ گندہ طریق جو سراسر استخوان ہے’’ گلی سڑی ہڈی یا گٹھلی کی طرح ہے۔کوئی اس میں پھل نہیں۔ فرمایا’’ اس لائق نہیں کہ اس کا نام مذہب رکھا جائے۔ افسوس ایسے لوگ نہیں جانتے کہ ہم دنیا میں کیوں آئے۔ اور اصل اور بڑا مقصود ہمارا اس مختصر زندگی سے کیا ہے بلکہ وہ ہمیشہ اندھے اور ناپاک فطرت رہ کر صرف متعصّبانہ جذبات کا نام مذہب رکھتے ہیں اور ایسے فرضی خدا کی حمایت میں دنیا میں بداخلاقی دکھلاتے اور زبان درازیاں کرتے ہیں جس کے وجود کا ان کے پاس کچھ بھی ثبوت نہیں۔وہ مذہب کس کام کا مذہب ہے جو زندہ خدا کا پرستار نہیں بلکہ ایسا خدا ایک مردے کا جنازہ ہے جو صرف دوسروں کے سہارے سے چل رہا ہے۔ سہارا الگ ہوا اور وہ زمین پر گرا۔ ایسے مذہب سے اگر ان کو کچھ حاصل ہے تو صرف تعصّب۔ اور حقیقی خدا ترسی اور نوع انسان کی سچی ہمدردی جو افضل الخصائل ہے بالکل ان کی فطرت سے مفقود ہو جاتی ہے۔‘‘ صرف تعصب ان کو حاصل ہوتا ہے اور حقیقی خدا ترسی اور نوع انسان کی سچی ہمدردی جو بہترین خصائل میں سے ہے بالکل ان کی فطرت سے مفقود ہو جاتی ہے’’ اور اگر ایسے شخص کا اُن سے مقابلہ پڑے جو اُن کے مذہب اور عقیدے کا مخالف ہو تو فقط اسی قدر مخالفت کو دل میں رکھ کر اس کی جان اور مال اور عزت کے دشمن ہو جاتے ہیں اور اگر ان کے متعلق کسی غیر قوم کے شخص کا کام پڑ جائے تو انصاف اور خدا ترسی کو ہاتھ سے دے کر چاہتے ہیں کہ اس کو بالکل نابود کر دیں اور وہ رحم اور انصاف اور ہمدردی جو انسانی فطرت کی اعلیٰ فضیلت ہے بالکل ان کے طبائع سے مفقود ہو جاتی ہے اور تعصب کے جوش سے ایک ناپاک درندگی ان کے اندر سما جاتی ہے اور نہیں جانتے کہ اصل غرض مذہب سے کیا ہے۔‘‘

(براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 27 تا 29)

پھر مذہب کی ضرورت کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ:’’ اگر کوئی حقیقی سچائی کا بھوکا اور پیاسا ہے تو ضرور اس کو ماننا پڑے گا کہ مذہب کے وجود سے پہلے یہ خداداد تقسیم طبائع میں ہو چکی ہے کہ کسی کی فطرت میں غلبہ حلم اور محبت اور کسی کی فطرت میں غلبہ درشتی اور غضب ہے۔ اب مذہب یہ سکھلاتا ہے کہ وہ محبت اور اطاعت اور صدق اور وفا جو مثلاً ایک بُت پرست یا انسان پرست مخلوق کی نسبت عبادت کے رنگ میں بجا لاتا ہے اُن ارادوں کو خدا کی طرف پھیرے اور وہ اطاعت خدا کی راہ میں دکھلائے۔‘‘ فرمایا کہ’’ یہ سوال کہ مذہب کا تصرف انسانی قُویٰ پر کیا ہے انجیل نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا......لیکن قرآن شریف بڑی تفصیل سے بار بار اس مسئلہ کو حل کرتا ہے کہ مذہب کا یہ منصب نہیں ہے کہ انسانوں کی فطرتی قُویٰ کی تبدیل کرے اور بھیڑیئے کو بکری بنا کر دکھلائے بلکہ مذہب کی صرف علّت غائی یہ ہے’’ یہی اس کا مقصد ہے ’’کہ جو قُویٰ اور ملکات فطرتاً انسان کے اندر موجود ہیں ان کو اپنے محل اور موقعہ پر لگانے کے لئے رہبری کرے۔ مذہب کا یہ اختیار نہیں ہے کہ کسی فطرتی قوّت کو بدل ڈالے۔ ہاں یہ اختیار ہے کہ اس کو محل پر استعمال کرنے کے لئے ہدایت کرے اور صرف ایک قوّت مثلاً رحم یا عفو پر زور نہ ڈالے بلکہ تمام قوتوں کے استعمال کیلئے وصیّت فرمائے کیونکہ انسانی قوّتوں میں سے کوئی بھی قوّت بُری نہیں بلکہ افراط اور تفریط اور بداستعمالی بُری ہے اور جو شخص قابلِ ملامت ہے وہ صرف فطرتی قُویٰ کی وجہ سے قابل ملامت نہیں بلکہ ان کے

بداستعمالی کی وجہ سے قابل ملامت ہے۔“

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب۔ روحانی خزائن جلد12 صفحہ 340-341)

پس غلط استعمال ہوں، غلط رستوں پر چلو گے تو اس وجہ سے قابل ملامت ہو گے۔ پس فرمایا اس بات کو تم ہمیشہ ذہن میں رکھو۔ پس یہ ہے اسلام کی خوبصورتی کہ سموئے ہوئے احکامات دیتا ہے اور ان ضرورتوں کو پورا کرتا ہے جو فطرت کا تقاضا ہیں۔ اسلام کے علاوہ نہ کسی مذہب میں، نہ کسی دنیاوی قانون میں یہ حسن نظر آتا ہے جو انسان کے فطری تقاضے پورے کرے۔ دنیاوی قانون بھی بنتے ہیں۔ کچھ عرصے بعد ان پر بحث شروع ہو جاتی ہے کہ اسے کس طرح حالات کے مطابق کیا جائے۔ اسلام کے بعض قوانین پر اعتراض کرنے والے تو اعتراض کرتے ہیں لیکن یہ ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ خود ہی جیسے پہلے بھی کئی دفعہ ہو چکا ہے اور آئندہ بھی ہوگا کہ ان کے اعتراضات انہی پر پڑتے ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

”واضح رہے کہ مذہب کے اختیار کرنے سے اصل غرض یہ ہے کہ تا وہ خدا جو سرچشمہ نجات کا ہے اس پر ایسا کامل یقین آ جائے کہ گویا اس کو آنکھ سے دیکھ لیا جائے“۔ پس یہ یقین پیدا کرنا مذہب کا کام ہے۔ اگر یہ یقین نہیں آتا تو پھر فکر کی ضرورت ہے۔ ”کیونکہ گناہ کی خبیث روح انسان کو ہلاک کرنا چاہتی ہے اور انسان گناہ کی مہلک زہر سے کسی طرح بچ نہیں سکتا جب تک اس کو اس کامل اور زندہ خدا پر پورا یقین نہ ہو اور جب تک معلوم نہ ہو کہ وہ خدا ہے جو مجرم کو سزا دیتا ہے اور راستباز کو ہمیشہ کی خوشی پہنچاتا ہے۔ یہ عام طور پر ہر روز دیکھا جاتا ہے کہ جب کسی چیز کے مہلک ہونے پر کسی کو یقین آ جائے تو پھر وہ شخص اس چیز کے نزدیک نہیں جاتا۔ مثلاً کوئی شخص عمداً زہر نہیں کھاتا۔ کوئی شخص شیر خونخوار کے سامنے کھڑا نہیں ہوسکتا۔ اور کوئی شخص عمداً سانپ کے سوراخ میں ہاتھ نہیں ڈالتا۔ پھر عمداً گناہ کیوں کرتا ہے۔ اس کا یہی باعث ہے کہ وہ یقین اس کو حاصل نہیں جو اُن دوسری چیزوں پر حاصل ہے۔ پس سب سے مقدم انسان کا یہ فرض ہے کہ خدا پر یقین حاصل کرے اور اس مذہب کو اختیار کرے جس کے ذریعہ سے یقین حاصل ہوسکتا ہے تا وہ خدا سے ڈرے اور گناہ سے بچے۔ مگر ایسا یقین حاصل کیونکر ہو۔ کیا یہ صرف قصّوں کہانیوں سے حاصل ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیا یہ محض عقل کے ظنّی دلائل سے میسر آ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس واضح ہو کہ یقین کے حاصل ہونے کی صرف ایک ہی راہ ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کے مکالمہ کے ذریعہ سے اس کے خارق عادت نشان دیکھے۔ اور بار بار کے تجربہ سے اس کی جبروت اور قدرت پر یقین کرے یا ایسے شخص کی صحبت میں رہے جو اس درجہ تک پہنچ گیا ہے۔“

(نسیم دعوت۔ روحانی خزائن جلد19 صفحہ 447-448)